پاکستانی فوجداری نظام میں توہینِ رسالت کی سزا اور بین الاقوامی انسانی حقوق: ایک تقابلی جائزہ

Punishment of Blasphemy in Criminal Justice System of Pakistan and International Human Rights Law: A Comparative Analysis

Dr. Asad Ullah
PhD Islamic Law & Jurisprudence & Lecturer, Faculty of Shariah and Law,
International Islamic University, Islamabad
Email: asad.ullah@iiu.edu.pk

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
The last two decades have been witnessing an overwhelming escalation in the commission of blasphemy, both on national and international levels. Generally, attempts are made to justify it on the basis of freedom of expression, guaranteed under international human rights law (IHRL). Laws of Muslim states relating to the blasphemy are facing critique for not being in line with IHRL. This poses a few questions: Can blasphemy possibly be justified under the fabric of the freedom of expression guaranteed under IHRL? Are laws of Muslim states relating to blasphemy in contradiction to IHRL? What are the implications of the freedom of expression? Is there any restriction on this right? In addition to attempting these questions, the paper aims to shed light on the nature and relation between IHRL and Islamic law. The paper also discusses the possibility of the reconciliation between both systems if the contradiction is assumed. The work also discusses how the current law of blasphemy in Pakistan runs contrary to certain provisions of IHRL and how it may be fixed from the perspective of Islamic law and IHRL.

Keywords: *Blasphemy Law, International Human Rights Law, Freedom of Expression, Pakistan Penal Code 1860.*

1. مقدمہ:

مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (Pakistan Penal Code, Act XLV of 1860) استعماری دور کا تعزیراتی قانون ہے جسے قیامِ پاکستان کے بعد ضروری تبدیلیوں کے ساتھ پاکستان میں نافذ کیا گیا تھا، اس قانون میں توہینِ رسالت، توہینِ مذہب اور مقدسات کے احترام کے حوالے سے مختلف دفعات موجود ہیں، جن کو (Blasphemy Laws) کہا جاتا ہے، ان جرائم پر جرمانہ، قید اور مختلف عرصے کے لیے قید بامشقت جیسی سزائیں تجویز کی گئی ہیں، جب کہ توہین رسالت کے جرم پر سزائے موت کی سزا تجویز کی گئی ہے[(1)]۔

یوں تو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے توہینِ مذہب سے متعلقہ باب میں کافی ساری دفعات ہیں، لیکن ہمارا موضوعِ بحث دفعہ 295-سی ہے، جس کا اضافہ قانون میں "پاکستان پینل کوڈ، ترمیم نمبر 3، مجریہ سال 1986ء" کے ذریعے کیا گیا اور پارلیمنٹ نے 2 اکتوبر 1986ء کو اس کی باقاعدہ منظوری دی۔ اس منظوری سے قبل کی ایک لمبی داستان ہے کہ کس طرح یہ قانون معرض خیال سے معرض وجود میں آیا۔ متعلقہ دفعہ کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

295-C. "Use of derogatory remarks, etc., in respect of the Holy Prophet: Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly,

defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine"[2].

اس دفعہ میں تصریح کی گئی ہے کہ جس شخص سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں اشارۃ، کنایۃً، یا صراحۃ توہین آمیز کلمات صادر ہوں، اسے سزائے موت دی جائے گی یا عمر قید سزا دی جائے گی، اس کے ساتھ اسے جرمانہ بھی دینا ہو گا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ متعلقہ دفعہ میں عمر قید کی سزا کا ذکر بھی موجود ہے لیکن قانوناً اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے کہ وفاقی شرعی عدالت اسے قرآن وحدیث سے متصادم قرار دے کر صرف سزائے موت ہی سزا طے کر چکی ہے[3]۔

2. قانونِ توہینِ رسالت پر اعتراضات:

توہینِ رسالت کے مذکورہ بالا قانون کو تعزیراتِ پاکستان میں شامل کر لینے کے بعد مختلف حلقوں کی جانب سے مختلف جہات سے نشانہ بنایا جاتا رہا، اور اس پر مختلف حیثیتوں سے اعتراضات کیے گئے۔

ان میں کچھ اعتراضات کا تعلق بذاتِ خود قانون سے ہے، جیسے کہ قانون کی زبان میں ابہام کی وجہ سے اس میں بہت جامعیت اور شمول پایا جاتا ہے، قانون میں مجرمانہ ذہنیت کی تصریح نہیں ہے، قانون میں کسی معذور شخص کو استثناء نہیں دی گئی، اور یہ کہ قانون صرف اسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

کچھ اعتراضات کا تعلق قانون پر عمل درآمد کے طریقہ کار سے ہے، جیسے کہ ملزم کو آزاد، منصفانہ اور غیر جانبدار عدالتوں کے سامنے ٹرائل کا حق نہیں دیا جاتا، اسے ضمانت پر رہائی کی سہولت فراہم نہیں کی جاتی، مجرم ثابت ہونے سے قبل اسے طویل مدت تک حبسِ بے جا میں رکھا جاتا ہے (یہ مدت کبھی دس سال سے بھی تجاوز کر جاتی ہے)، اس ضمن میں پاکستان میں تفتیشی اداروں کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے، جو کہ قانون پر منصفانہ عمل درآمد میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔

کچھ اعتراضات عمومی نوعیت کے ہیں، جیسے کہ اس قانون کے ذریعے اقلیتوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، اسے ذاتی مقاصد اور سیاسی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، توہینِ مذہب کا الزام لگ جانے کے بعد ملزم کو ہراساں کیا جاتا ہے، اسے قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے کچھ اعتراضات توہینِ رسالت کے قانون کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس کی بنیادی وجہ پاکستانی عدالتی نظام ہے۔ چنانچہ جرم ثابت ہونے سے قبل طویل حبسِ بے جا صرف توہینِ رسالت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ دیگر جرائم میں بھی بسا اوقات ملزم کو اتنا عرصہ قید رکھا جاتا ہے جو پاکستانی قانون کے بموجب عمر قید کے قریب ہوتا ہے۔ کبھی تو ملزم قید میں مر جاتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی بیگناہی کا مژدہ عدالت سنا دیتی ہے[4]۔ دیوانی مقدمات میں تو کئی دہائیوں تک فیصلہ نہ ہونا معمول سا بن گیا ہے[5]۔ لیکن اس کا مداوا ہرگز یہ نہیں کہ قانون کو ہی ختم کر لیا جائے، بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ انہی مسائل کے اسباب کی کھوج لگا کر انہیں ختم کیا جائے اور قانون کو مؤثر کیا جائے۔

اس کے علاوہ پولیس کی نااہلی کا تعلق بھی صرف توہینِ مذہب کے مقدمات کے ساتھ نہیں، بلکہ دیگر مقدمات میں بھی بسا اوقات بعد میں پتہ چلتا ہے کہ پولیس نے ابتدائی رپورٹ (FIR: First Information Report) قانونی طریقے سے تیار نہیں کی یا اس میں غیر متعلقہ دفعات لکھ

دیے جس سے کبھی کبھار مجرم سزا سے بچ جاتا ہے اور کبھی ناکردہ جرائم کی سزا پالیتا ہے[6]۔اس لیے ان مسائل کے خاتمے کے لیے سنجیدہ اقدامات کرنا ازحد ضروری ہیں۔

کچھ اعتراضات کا تعلق البتہ توہینِ رسالت کے قانون کے ساتھ ہے، جیسے کہ ججز اور وکلاء کو ہراساں کرنا، دھمکیاں دینا وغیرہ وغیرہ، بلکہ اب تو معمول کی سی بات بن گئی ہے۔ خاص طور پہ ماتحت عدالتوں کے ججز کو ان مشکلات کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس صورتحال کو پیدا کرنے میں سبھی لوگ ذمہ دار ہیں، حکومت کی کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس طرح کے معاملات میں براہ راست بیرونی مداخلت کو قبول کرلیتی ہے اور قانون پر عمل درآمد میں بے جا پس و پیش سے کام لیتی ہے جس سے عوام کا نظامِ انصاف سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ججز کی کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مقدمات کے تصفیہ میں بلاضرورت تاخیر کرتے رہتے ہیں، جس سے عوام کا اشتعال بڑھتا جاتا ہے۔ چونکہ عوام کی اکثریت ان قانونی پیچیدگیوں سے ناواقف ہوتی ہے اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہر ملزم کے چھوٹنے کی وجہ عدالت کی طرفداری ہوتی ہے، اس لیے وہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش میں ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے پورے معاشرے میں بے چینی اور اضطراب پھیلتا رہتا ہے۔ اس لیے اس صورتحال میں سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون پر بہتر عمل درآمد میں اپنا ممکنہ کردار ادا کریں۔

زیرِ نظر مقالے میں ہمارا موضوع خصوصی طور پر وہ اعتراضات ہیں جن کا تعلق بین الاقوامی انسانی حقوق کے تناظر سے ہے، جس پر ہم ذیل میں تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔

2.1: قانونِ توہینِ رسالت اور بین الاقوامی انسانی حقوق کا قانون:

بنیادی حقوق وہ حقوق ہیں جو کسی بھی انسان کو بحیثیتِ انسان حاصل ہوتے ہیں، چاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقے، جنس اور ریاست سے ہو[7]۔ موجودہ دنیا کے تمام ممالک کے آئین اس کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں، اور بین الاقوامی انسانی حقوق کی تمام دستاویزات اس پر زور دیتی ہیں۔

اسلامی قانون بھی ان حقوق کو تسلیم کرتا ہے، لیکن ان کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت قرار دیتا ہے، اور ان حقوق کو یوں آزاد نہیں چھوڑتا، جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوں۔

بنیادی حقوق ان کو اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی ریاستی ادارہ یا فرد ان کو معطل نہیں کرسکتا، یہ حقوق انسان کو محض انسان ہونے کی بناء پر حاصل ہوتے ہیں، جو رنگ، نسل، مذہب، علاقہ اور ملک کے امتیازات سے ماوراء ہیں۔ یہ کسی ریاست کی منظوری یا معاہدے سے دریافت شدہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان کو فطری طور پر حاصل ہیں۔ کوئی ریاست اپنے شہری کو اس سے اگر محروم رکھتی ہے تو اسے فطرت کے عطاکردہ حقوق کا غاصب سمجھا جاتا ہے۔

انہی حقوق میں سے ایک حق عقیدہ اور اظہار رائے کی آزادی کا بھی ہے، جس کو تمام مذاہب، قوانین اور آئین تسلیم کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے اسے اسلام کے ساتھ کھلواڑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ذریعہ بنالیا ہے۔

اسلام کے ارتقائی دور میں لوگ اس گھناؤنے جرم کے عادی نہیں تھے اور مسلمانوں کے خوف سے اس کی جرأت بھی نہیں کرسکتے تھے، لیکن جب مسلمان کمزور ہوکر گروہی، لسانی، مسلکی اور جغرافیائی اختلافات میں بٹ گئے، تو اسلام کے خلاف فکری یلغار شروع ہوئی، اور اسی ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ایک تسلسل کے ساتھ شروع ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق معمول کی نوعیت کا نہیں، بلکہ ہر مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی دفاع میں فدا ہونے کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے، اس کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہوتا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھ سے اپنے والد، اپنے بیٹوں، بلکہ سبھی لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے"[(8)]۔

موجودہ صدی میں اکثر دیکھا گیا کہ بعض اخبارات، رسائل اور مغربی ویب سائٹس کی جانب سے بارہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اطہر میں گستاخی کی ناپاک جسارت کی گئی، ان کی ذاتِ گرامی کے بارے میں افتراء پر مبنی فلمیں بنائی گئیں، جس کے ردِّ عمل میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ معتدل غیر مسلموں کی طرف سے بھی وسیع پیمانے پر احتجاج کیا گیا۔ ان تمام شرمناک افعال کے لیے عموماً آزادئ اظہار رائے کا سہارا لیا جاتا ہے۔

توہینِ رسالت کو جرم قرار دینے کے قانون کو آزادئ اظہار رائے کے مسلمہ حق پر پابندی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، اس ضمن میں بین الاقوامی اعلامیوں، دستاویزات، معاہدوں، اور انسانی حقوق کی کمیٹیوں کے فیصلوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ تمام ریاستوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے نظام اور قوانین کو ان عالمی دستاویزات سے ہم آہنگ بنائیں، اور ایسے قوانین کا خاتمہ کریں جو ان دستاویزات سے (ان کی تعبیر کے مطابق) متصادم ہوں۔

پاکستان کے بارے میں ان کا خصوصی طور پر دعوی ہے کہ توہینِ مذہب کے قوانین انسانی حقوق کے بین الاقوامی معیارات سے مطابقت نہیں رکھتے، یہ قوانین آزادئ اظہار رائے اور آزادئ مذہب پر غیر ضروری قدغن لگاتے ہیں، جب کہ ان حقوق کی ضمانت انسانی حقوق کے عالمی منشور میں بھی دی گئی ہے اور پاکستانی آئین اور دیگر ملکی قوانین بھی اس کی ضمانت دیتے ہیں[(9)]۔

انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس (International Commission of Jurists) کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ: "جب سے توہینِ رسالت کے جابرانہ قوانین کی منظوری دی گئی ہے، پاکستانی سول سوسائٹی کے کارکنوں، انسانی حقوق کی تنظیموں، ماہرینِ تعلیم، ججز اور حکومت کے اراکین نے اس کی مذمت کی ہے، اور ان قوانین کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی طرف سے انسانی حقوق کونسل میں پاکستان کے ریکارڈ کے جائزے کے دوران بھی ان خدشات کا اظہار کیا گیا۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی توہینِ مذہب سے متعلقہ قوانین کو بین الاقوامی دستاویزات کے خلاف قرار دے کر اس کے خاتمے یا بنیادی ترمیم پر زور دیا"[(10)]۔

کمیشن نے مزید قرار دیا کہ پاکستان میں آزادئ اظہار رائے اور مذہب یا عقیدے کی آزادی پر توہینِ رسالت کے قوانین کی شکل میں قدغن لگانا بین الاقوامی انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی ہے، اور شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے (ICCPR: The International Covenant on Civil and Political Rights) کے تحت پاکستان پر عائد کردہ ذمہ داریوں کی بھی خلاف ورزی ہے، جس کی رو سے انسانی حقوق کے احترام، منصفانہ ٹرائل، اور تشدد، ظالمانہ یا توہین آمیز سلوک کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے[(11)]۔

ججز اور وکلاء کی آزادی پر اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے گیبریلا کنول نے 2012ء میں پاکستان کے مشن کے بعد اس رائے کا اظہار کیا کہ: "یہ قوانین انتہا پسند مذہبی گروہوں کے مفادات کی تکمیل کرتے ہیں اور نہ صرف پاکستان کے آئین سے بلکہ بین الاقوامی انسانی حقوق سے بھی مطابقت نہیں رکھتے"[(12)]۔

2.2: انسانی حقوق کی بین الاقوامی اور مقامی دستاویزات اور قانون توہین رسالت:

انسانی حقوق کی تنظیمیں اور مختلف بین الاقوامی غیر سرکاری ادارے اکثر اس بات پر زور دیتی ہیں کہ توہین رسالت کے قوانین درج ذیل دستاویزات اور انسانی حقوق کے عالمی اعلانات کی خلاف ورزی کرتے ہیں:

1-انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ(Universal Declaration of Human Rights):

یہ اعلامیہ (UDHR) انسانی حقوق کی تاریخ میں ایک اہم تاریخی دستاویز ہے، جس کا مسودہ دنیا بھر سے مختلف قانونی اور ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے نمائندوں نے تیار کیا، اور جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو پیرس میں اس اعلامیہ کو قرارداد نمبر (217-اے) کے ذریعے منظور کیا۔ اس کو انسانی حقوق کے ایک مشترکہ معیار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور دنیا کی تقریباً500 زبانوں میں اس ترجمہ کیا جاچکا ہے[13]۔

توہین رسالت کا قانون اس اعلامیہ کے دفعہ 18 اور 19 سے متصادم ہے۔

اعلامیہ کی دفعہ 18 کا متن یہ ہے:

"ہر انسان کو آزادئ فکر، آزادئ ضمیر اور آزادئ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے، پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے"۔

دفعہ ١٩ کا متن درج ذیل ہے:

"ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے، بغیر ملکی سرحدات کی رعایت کے کسی بھی ذریعے سے علم اور خیالات کی تلاش کرکے انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے"[14]۔

2-شہری اور سیاسی حقوق سے متعلق بین الاقوامی معاہدہ(ICCPR):

یہ معاہدہ ایک عالمی دستاویز ہے جسے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 16 دسمبر 1966ء کو قرارداد نمبر (2200-ا) کے ذریعے منظور کیا اور 23 مارچ 1976ء کو اسے نافذ کیا گیا۔ دنیا کے بیشتر ممالک بشمول عرب اور دیگر اسلامی ممالک نے اس معاہدہ کی توثیق کی۔ پاکستان نے بھی 2010ء میں اس معاہدے پر دستخط کیے جس کے بعد پاکستان اپنے قوانین کو اس معاہدے کے مطابق ڈھالنے کا پابند ہے۔ یہ معاہدہ آزادئ فکر، آزادئ ضمیر، آزادئ مذہب اور عقیدے کے تحفظ (دفعہ 18) کے سلسلے میں کسی بھی ملک کی ذمہ داریوں کے لیے بنیادی قانونی دائرہ کار فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ معاہدہ آزادئ اظہار رائے (دفعہ 19)، قانون کے سامنے مساوات اور امتیازی سلوک کی ممانعت (دفعہ 2، 26 اور 27)، اور مقدمے کی منصفانہ سماعت (دفعہ 14) پر بھی زور دیتا ہے، اور تمام ممالک کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے مقامی قوانین کو اس معاہدے سے ہم آہنگ بنائیں[15]۔

توہینِ مذہب سے متعلق پاکستانی قوانین (خاص طور پر دفعہ 295-سی) اس معاہدے کے متعدد شقوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔

3- مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر ہر قسم کی عدمِ برداشت اور امتیازی سلوک کے خاتمے سے متعلق اقوام متحدہ کا 1981ء کا اعلامیہ:

اقوام متحدہ کی طرف سے جاری کردہ یہ اعلامیہ (Declaration on the Elimination of All Forms of Intolerance and of Discrimination Based on Religion or Belief) مذہبی حقوق کے حوالے سے ایک اہم بین الاقوامی دستاویز ہے جو مذہب کی بنیاد پر عدم برداشت یا امتیازی سلوک کو ممنوع قرار دیتا ہے، اسے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 25 نومبر 1981ء کو منظور کیا تھا۔

توہینِ رسالت کے قانون پر اعتراض یہ ہے کہ یہ قانون اس اعلامیہ کے دفعہ 2، 3، 4، 6 اور 7 کی مخالف ہے، جس میں ہر شخص کو فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی دی گئی ہے، اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ کسی بھی شخص کو ریاست، ادارہ یا افراد کی جانب سے مذہب یا عقیدے میں اختلاف کی بنیاد پر امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا[16]۔

4- قومی، نسلی، مذہبی یا لسانی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے حقوق کا اعلامیہ:

اس اعلامیہ (Declaration on the Rights of Persons Belonging to National or Ethnic, Religious and Linguistic Minorities) کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک قرارداد کے ذریعے 18 دسمبر 1992ء کو منظور کیا گیا تھا۔

توہینِ رسالت کے قانون پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ قانون مذکورہ بالا اعلامیہ کے دفعہ 2 اور 4 کی خلاف ورزی کرتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی ثقافت پر عمل پیرا ہونے، اپنے مذہب پر عمل کرنے، اور اپنی زبان بولنے کا حق بغیر کسی مداخلت یا امتیاز کے آزادانہ طور پر حاصل ہے، اور ان کو اس قابل بنانا ریاست کی ذمہ داری ہے[17]، جب کہ توہینِ رسالت کے قانون کی رو سے اقلیتوں کے ان حقوق پر قدغن لگائی گئی ہے۔

5- انسانی حقوق پر یورپی کنونشن (European Convention on Human Rights):

انسانی حقوق پر یورپی کنونشن (ECHR) ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جس کا مقصد برِّاعظم یورپ میں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا تحفظ کرنا ہے، اس کی منظوری یورپین کونسل نے 3 ستمبر 1953ء کو دی تھی۔

توہینِ رسالت کے قوانین اس کنونشن کے دفعہ 9 اور دفعہ 10 سے متعارض ہیں جو آزادئ فکر، آزادئ مذہب اور آزادئ اظہار رائے سے متعلق ہیں[18]۔

6- آئین پاکستان 1973ء:

توہینِ رسالت کے قانون پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہ پاکستانی آئین کے منافی ہے، جو تمام بنیادی آزادیوں کی ضمانت دیتا ہے، جن میں عقیدہ کی آزادی اور آزادئ اظہار رائے بھی شامل ہیں[19]۔

2.3: سزائے موت اور انسانی حقوق کا قانون:

ویسے تو توہینِ مذہب کے جملہ قوانین کو انسانی حقوق کی دستاویزات سے متعارض قرار دیا جاتا ہے، لیکن خاص طور پر توہین رسالت کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس لیے کہ دفعہ 295-سی کے مطابق توہینِ رسالت کی سزا سزائے موت ہے، چنانچہ اس بارے میں عمومی طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ لازمی سزائے موت کا نفاذ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے، خاص طور پر زندگی گزارنے کا حق اور ظالمانہ، غیر انسانی سزا، توہین آمیز سلوک اور تشدد کا نشانہ نہ بننے کا حق، جس کی ضمانت انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کا دفعہ 3، اور 5 دیتے ہیں۔

حالیہ کچھ سالوں کے دوران بین الاقوامی وعلاقائی برادری نے سزائے موت کے خلاف کئی دستاویزات کی منظوری دی ہے، جن میں کچھ درج ذیل ہیں:

- شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے کے ساتھ ملحق دوسرا اختیاری پروٹوکول، جس کا مقصد سزائے موت کو ختم کرنا ہے۔
- سزائے موت کے خاتمے سے متعلق انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کا پروٹوکول نمبر 6۔
- انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کا پروٹوکول نمبر 13، جو ہر حال میں سزائے موت کے خاتمے پر زور دیتا ہے۔
- سزائے موت کے خاتمے کے لیے انسانی حقوق کے امریکی کنونشن کا پروٹوکول[20]۔

بین الاقوامی قانون میں مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ سزائے موت کا استعمال سنگین ترین جرائم تک ہی محدود ہونا چاہیے[21]۔ چنانچہ اقوامِ متحدہ کی اقتصادی اور سماجی کونسل نے سزائے موت کی سزا کا سامنا کرنے والے افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے جو قانون 25 مئی 1984ء کو منظور کیا تھا، اس کی رو سے سزائے موت صرف ان سنگین ترین جرائم میں دی جاسکتی ہے جن کے نتائج نہایت ہی بھیانک ہوتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر جرائم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی[22]۔

سزائے موت کو ابھی دنیا کے ممالک کے قوانین سے مکمل طور پر ختم نہیں کیا گیا، لیکن اسے ختم کرنے کے لیے بین الاقوامی سطح پر کوششیں کی جارہی ہیں، اور پاکستان ان چند باقی ممالک میں سے ہے جس نے تاہنوز سزائے موت کے قوانین کو ختم نہیں کیا ہے[23]۔

3: انسانی حقوق اور توہین رسالت کا قانون: شرعی نقطہ نظر:

اس سے قبل متعدد بین الاقوامی دستاویزات، معاہدات اور اعلانات کی تفصیل گزر چکی جو فکر، ضمیر، مذہب، عقیدہ اور اظہار رائے کی آزادی کی ضمانت دیتے ہیں، اور توہینِ رسالت کا قانون بادی النظر میں ان تمام دستاویزات سے متصادم نظر آتا ہے، لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ ان اعلامیوں اور دستاویزات کے بارے میں اسلامی قانون کی رو کیا موقف اختیار کیا جانا چاہیے؟ اس سوال پر ذیل میں گفتگو کی جاتی ہے۔

3.1: انسانی حقوق کے عالمی اعلانات اور اسلام:

انسانی حقوق کے عالمی اعلانات کے بارے میں اسلام کا موقف جاننے سے قبل کئی سوالات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا یہ آزادیاں ہر قسم کی قیود سے ماوراء ہیں یا اس پر کچھ پابندیاں ہیں؟

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ امیروں نے غریبوں ہی کی مدد سے مال کمایا، اب امیروں کے پاس سب کچھ مہیا ہے اور غریب نانِ جویں کو ترس رہا ہے، اس وجہ سے غریبوں کو اجازت ہے کہ وہ امیروں کا مال لوٹیں۔ اب کیا اس شخص کو آزادئ اظہار رائے کے تحت اس رائے کے اظہار کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب لازمی طور پر، لبرل اصولوں تک کی رو سے بھی، نفی میں ہے، اس لیے کہ اس سے امن عامہ خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ آزادیاں مطلق نہیں بلکہ اس پر کچھ قیود ہیں۔

اب **دوسرا سوال** یہ ہے کہ ان پابندیوں کا فیصلہ کون کرے گا اور کس بنیاد پہ کرے گا؟ اور کس طریق کار کے تحت کرے گا؟

یہی وہ بنیادی سوال ہے جس میں مغرب اور اسلام کا رستہ الگ ہو جاتا ہے، مغرب عقل کی بنیاد پر ان بنیادوں کا فیصلہ کرنے کا قائل ہے، جب کہ ان معیارات اور نظریات پر سب کا اتفاق ممکن نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے ان پابندیوں کا واحد معیار وحی ہے جو ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے۔

اہل مغرب کے ہاں انسانی حقوق کی بنیاد یہ ہے کہ تمام ادیان عالم برابر ہیں اور ان کے متبعین کو بغیر کسی فرق کے یکساں آزادی حاصل ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر برتری حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر مسلم ریاست اس حق کی دعوے دار ہو کہ وہ کسی کافر ریاست سے مطالبہ کرے کہ یا تو اس کے افراد اسلام لے آئیں یا جزیہ دے کر اسلام کی بالادستی قبول کرلیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، تو یا تو یہ حق عیسائی اور یہودی ریاست کے پاس بھی ہونا چاہیے، یا کسی بھی ریاست کے پاس یہ حق نہیں ہونا چاہیے۔

اور اگر اسلام یہ فیصلہ کرتا ہے کہ جو بھی اسلام چھوڑ کر یہودیت یا عیسائیت قبول کرے گا تو اسے مہلت دی جائے گی کہ یا تو وہ دوبارہ اسلام قبول کرے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا، تو عیسائیت یا یہودیت کے پاس بھی یہ حق ہونا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کا مطالبہ کریں کہ جو شخص عیسائیت یا یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔

جب کہ اس کے بالمقابل اسلام اس بات کا دعوے دار ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ دین، اسلام ہی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کو کوئی اور دین قبول کرنے کا اختیار نہیں، اس بالادستی کے پیش نظر اسلام کو کچھ ایسی خصوصیات دی گئی ہیں جو کسی اور مذہب کو حاصل نہیں، جس پر ہم آگے ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ توہینِ رسالت جرم ہے یا نہیں؟ اگر یہ جرم ہے تو کیا اس پر سزا ہونی چاہیے یا نہیں؟

منصبِ رسالت سے قطع نظر، کسی بھی شخص کی توہین کو قوانینِ عالم میں جرم تصور کیا جاتا ہے، اور مختلف ممالک کی قوانین میں -قید اور جرمانے کی شکل میں- اس کی سزا بھی موجود ہے، کسی بھی ملک کے قانون میں کسی شخص کی توہین کو کسی انسان کا بنیادی حق نہیں قرار دیا گیا۔

اہلِ مغرب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ کسی شخص کی توہین کرنا سزا کا مستوجب ہے، لیکن وہ اس کو جرم تب مانتے ہیں جب کسی زندہ شخص کی توہین کی جائے، اور وہ خود دعوی دائر کرے، لہٰذا کسی مردہ شخص کی توہین کو جرم نہیں سمجھا جاتا۔[24]

یہ دلیل نہایت کمزور اور بے بنیاد ہے، اس لیے کہ جب ایک عام آدمی کی توہین جرم ہے، تو اس شخصیت کی توہین کیونکر جرم نہ ہو جن کی توہین سے دنیا میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور جن کی عزت و حرمت دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کے دین ومذہب کا بنیادی حصہ ہے۔

جہاں تک جرم پر سزا کی بات ہے تو اگر اعتراض یہ ہو کہ سزائے موت بذات خود ایک سخت سزا ہے، تو یہ اعتراض تو اس لیے بے جا ہے کہ سزائے موت اب بھی دنیا کے بہت سے ممالک کی قوانین میں بہت جرائم پر سزا کے طور پر رائج ہے (جیسا کہ گزر چکا)۔ اور اگر اعتراض یہ ہے کہ جرم کے مقابلے میں سزا سخت ہے، تو جرم کی شدّت وخفت کا فیصلہ کرنے کا اختیار اس معاشرے کے پاس ہے جن کو اس شنیع فعل سے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے مسلمانوں کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس جرم پر کسی سزا کا قانونی طور پر تقرر کر دیں۔ لہٰذا اگر کسی مسلم ملک کا پارلیمنٹ قانونی تقاضے پورا کرنے کے بعد اس جرم کو سزائے موت کا مستوجب قرار دے تو دوسروں کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اہلِ مغرب کا مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاشرتی معاملات میں مذہب اور عقیدہ کو پس پشت ڈال لینے کے بعد انبیاء کے تقدس سے بیزاری اختیار کرلی، اب وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ان کی پیروی کریں، اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے براءت کا اظہار کردیں۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

حیرت کی بات ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو آزادئ اظہارِ رائے کے تحت جائز تصور کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے مسلم معاشرے پر پڑنے والے اثرات اور کروڑوں مسلمانوں کے تاثرات واحساسات کو نظر انداز کرتے ہیں، اور صرف اسی ناہنجار کے حقوق کی بات کرتے ہیں جس نے اس قبیح فعل کا ارتکاب کیا،

بایں عقل ودانش بباید گریست۔

3.2: اسلامی قانون اور بین الاقوامی قانون میں انسانی حقوق کی بنیادیں:

گذشتہ عنوان میں مختصراً اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا، کہ انسانی حقوق کی بنیادوں میں اہلِ مغرب اور اسلام کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے جداگانہ ہے، اہلِ مغرب کا خیال ہے کہ تمام مذاہب وادیان آپس میں برابر ہیں، اور کسی بھی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے (25)۔

اسلام اس اصول کا انکار کرتا ہے، اسلام اس بات کا دعوے دار ہے کہ جب اللہ تعالی نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا، تو اللہ کا منشا یہ تھا کہ زمین میں عدل وانصاف کا راج ہو، اور تمام انسان اللہ کی بندگی کے قائل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے مختلف اوقات میں انسانوں کو اس بات کی طرف بلانے کے لیے مختلف انبیاء کرام بھیجے، اور ہر زمانے میں ایک شریعت کو نافذ کیا، اور انسانوں کو اس پر چلنے کا حکم دیا۔

اس انتظام کی وجہ یہ تھی کہ یہ بات اللہ تعالی کے علم میں تھی کہ زمین میں امن وآشتی اسی وقت ممکن ہے جب وہاں پر حکومت ایسے لوگوں کی ہو جو حکومت کو اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھ کر اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق چلائیں، اور اس حکومت کی بنیاد انسانی معیارات اور پسند ناپسند کے بجائے اللہ تعالی کی وحی پر ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ﴾ (26). ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے"۔

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ، الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (27). ترجمہ: "اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے"۔

پھر اس کے ساتھ اللہ تعالی نے یہ انتظام فرمایا کہ جب اس نظام اور شریعت کی طرف دعوت دینے والے نبی کو اپنے پاس بلایا تو اس کی جگہ ایک اور نبی کو بھیجا تاکہ وہ اسی نہج پر دینِ حق کے غلبہ کے لیے محنت کرسکے۔ کبھی یہ ہوا کہ اگلے آنے والے نبی کو فروعی احکامات میں زمانے

کے حالات کے موافق کچھ تبدیلی کر کے ایک نئی شریعت کے ساتھ بھیجا گیا، کبھی ایک نبی کے ہوتے ہوئے دوسرے نبی کو نئی شریعت کے ساتھ بھیجا گیا۔ آخر الذکر صورت میں ہر نبی کو حکم تھا کہ وہ نئی شریعت لانے والے نبی کی تائید کرے اور اس کی شریعت پر عمل کرے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾(28). ترجمہ: "اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کروگے"۔

اس حقیقت کا اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا اور فرمایا کہ اگر میرے مبعوث ہونے کے وقت سیدنا موسی علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع کرنی پڑتی(29)۔ اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ ہر زمانے میں اللہ تعالی کو کوئی ایک ہی شریعت قابلِ قبول ہے اب ہم اس نکتے پر آتے ہیں، کہ کیا اللہ تعالی کی طرف سے اس شریعت کو ماننے کے معاملے میں کوئی دنیوی جبر ہے؟ قرآنی آیات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو اس شریعت کے ماننے پر مجبور نہیں کیا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(30). ترجمہ: "اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت (یعنی ایک ہی دین کا پیرو) بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے (اس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے تھے اس کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی"۔

بلکہ ہر انسان کو اختیار دیا کہ وہ دو رستوں میں کسی ایک راستے کا انتخاب کرے، اور یا تو اللہ تعالی کی بتائی ہوئی شریعت کو مان لے، یا اس سے انکار کرلے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ بصورتِ دوم وہ اخروی عذاب کا مستحق ہوگا، چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾(31). ترجمہ: "اور کہہ دو کہ: حق تو تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے"۔

لیکن اس اختیار کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اللہ تعالی نے تمام ادیان کو برابر بنایا، بلکہ اللہ تعالی نے ہر زمانے میں کسی ایک دین اور شریعت کو بالادستی عطا فرمائی اور باقی لوگوں کو حکم دیا کہ وہ یا تو اس شریعت پر ایمان لے آئیں، یا اس کی بالادستی کو عملی طور پر مان لیں، اور اگر وہ دونوں باتوں کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر برحق شریعت کے ماننے والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان سے جہاد کریں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو بھیجتے تھے، تو لشکر کے امیر کو تقوی کی نصیحت کر لینے کے بعد ارشاد فرماتے: "جب تمہارا کافروں کے لشکر سے مقابلہ ہو تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام لانے کے لیے تیار ہوں تو ان سے نہ لڑیں، اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو انہیں جزیہ دینے کی پیشکش کردیں، اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ان سے نہ لڑیں، اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ کا نام لے کر ان سے جہاد کریں"(32)۔

اب آخری زمانے میں یہ بالادستی اسلام کے حصے میں آئی، اور اسلام کو ہی برحق اور مقبول دین قرار دے دیا گیا، اور اسلام کے بالمقابل باقی تمام ادیان کو آپس میں برابر قرار دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾(33). ترجمہ: "بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔ مزید ارشاد ہوا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾(34). ترجمہ: "جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

اسی وجہ سے اس برحق نظام کو کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا جو باقی ادیان کو نہیں دی گئیں۔ یہی خصوصیات کسی زمانے میں یہودیت کے پاس تھیں، پھر جب حضرت عیسی علیہ السلام کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو وہ خصوصیات عیسائیت کے حصے میں آئیں، اور اسلام کے آنے کے بعد وہ خصوصیات اسلام کو دی گئیں۔ چنانچہ جن خصوصیات کا اسلام دعوی کرتا ہے وہ کسی کے اختراع یا کسی معاہدے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔

یہی بات حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بھی مقوقس شاہ مصر کو کہی تھی، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا والا نامہ دے کر بھیجا تھا، انہوں نے مقوقس سے کہا کہ: "حضرت موسی علیہ السلام کا حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت دینا بالکل اسی طرح ہے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت، اور ہمارا آپ کو قرآن مجید کی طرف دعوت دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ یہود کو نصرانیت کی دعوت دیتے تھے، اور جب کی کسی نبی کی بعثت کسی قوم کی طرف ہو جائے تو وہ سارے لوگ ان کی امت میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پہ اس نبی کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے، اور آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے ہیں"(35)۔

انہی خصوصیات کے تئیں اسلام کو یہ حق دیا گیا کہ وہ کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو اسلام لانے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور کریں۔ اب یہ خصوصیت صرف اسلام کے پاس ہی ہے، کسی اور دین کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

انہی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ایک دفعہ اسلام لے آیا تو اس کے بعد اسے واپس اسلام چھوڑنے کی اجازت نہیں، ورنہ تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ خصوصیت اس بالادستی کا نتیجہ ہے جو اسلام کو اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ہے، جو کہ کسی اور دین کو حاصل نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے یا یہودیت چھوڑ کر عیسائیت قبول کرتا ہے تو اس کے قتل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب اگر کوئی ان خصوصیات کا منکر ہو تو اس کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور باقی ادیان کے منسوخ ہونے پر بات کی جائے گی، جو ان تمام مسائل کی بنیاد ہے، اسے چھوڑ کر ذیلی مسائل پر گفتگو کرنا بے معنی ہے۔

اسلام میں انسانی حقوق کی بنیاد یہی ہے، اس لیے بین الاقوامی انسانی حقوق کے اعلامیہ اور دستاویزات جو اس بنیاد سے متصادم ہیں، مسلمانوں کے لیے اسے من وعن تسلیم کرنا چند بنیادی قوانین اور ہدایات پر سمجھوتے کے مترادف ہے جس کی دین ومذہب میں کوئی گنجائش نہیں۔ اب چونکہ مسلمان وہ سیاسی وعسکری قوت نہیں رکھتے جس کے بل بوتے وہ پوری دنیا میں اسلامی نظام کو نافذ کر سکیں، اس لیے کم از کم اپنے ممالک میں اس بنیاد کے مطابق قوانین ڈھالنا ان کی اولین ذمہ داری ہے۔

اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جن مقدس شخصیات کو اپنے دین کی دعوت کے لیے چنا ان کو عام لوگوں پر تفوق عطا فرمایا، اور ان کی عزت و ناموس کو دیگر لوگوں سے ارفع قرار دیا، اس لیے کسی بھی شخص کو کسی بھی آزادی کا سہارا لے کر ان کی عزت و ناموس پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت نہیں، اور ایسا کرنے والوں کو اسلامی قانون کی رو سے سخت سزا دی جائے گی۔

4: اظہار رائے کی آزادی پر پابندی:

سابقہ بحث کے مقابلے میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اظہار رائے کی آزادی کو ہر قسم کی پابندیوں سے ماوراء نہیں چھوڑا جا سکتا اور اس پر مختلف پابندیاں ناگزیر ہیں۔ چنانچہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی دستاویزات میں ہی اس آزادی پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ:

- اس حق کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔
- اس کو عوامی سلامتی اور مفاد عامہ کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔
- اس آزادی کے استعمال سے کسی اور قانون کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔
- اس حق کو استعمال کرتے ہوئے کسی کے احساسات و جذبات کو مجروح نہ کیا جائے۔
- یہ آزادی کسی اور جرم کا پیش خیمہ نہ بنے۔
- اس آزادی سے عدالت کی توہین نہ ہوتی ہو۔

دنیا کے بیشتر ممالک کے دستوروں اور قوانین میں اس آزادی پر اس طرح کی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

4.1: انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی اعلامیے اور دستاویزات اور آزادیٔ اظہار رائے پر پابندیاں:

اب ہم ذیل میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آزادیٔ اظہار رائے کے لیے جن بین الاقوامی دستاویزات کا سہارا لیا جاتا ہے انہی دستاویزات میں اس حق پر پابندیاں لگائی گئی ہیں، اور اس کو آزاد نہیں رکھا گیا ہے، ذیل میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

1- انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (UDHR):

آزادیٔ اظہار رائے کے لیے اکثر اسی اعلامیے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اسی اعلامیہ کے دفعہ 29 میں کہا گیا ہے کہ یہ حقوق اور آزادیاں قانون کی طرف سے قائم کردہ پابندیوں، اور ایک جمہوری معاشرے میں دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے تحفظ، امن عامہ اور انسانی احترام کے تابع ہیں۔

دفعہ 30 کی رو سے کسی بھی ایسی سرگرمی یا عمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جو اس اعلامیہ میں بیان کردہ حقوق اور آزادیوں میں کسی کے بھی منافی ہو(36)۔

2- شہری اور سیاسی حقوق سے متعلق بین الاقوامی معاہدہ (ICCPR):

اس معاہدے کے دفعہ 20 کے دوسرے پیراگراف میں کہا گیا ہے کہ اس قانون کے تحت اشتعال انگیزی پر مبنی کوئی بھی ایسا عمل ممنوع ہے جو قومی، نسلی یا مذہبی منافرت، امتیازی سلوک اور دشمنی یا تشدد کا ذریعہ بنے۔

دفعہ 18 ذیلی دفعہ 3 میں کہا گیا ہے کہ مذہب یا عقیدے کے اظہار کی آزادی قانون کی طرف سے عائد کردہ ان پابندیوں کے تابع ہے جن کا وجود عوامی تحفظ، امن عامہ، عوامی صحت، اخلاقیات، اور دیگر لوگوں کے حقوق اور آزادیوں کی یقین دہانی کے لیے ناگزیر ہے۔

دفعہ 19 میں پھر اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ یہ آزادیاں ایسی پابندیوں کے تابع ہیں جو دوسروں کے حقوق یا ساکھ کا احترام کرنے یا قومی سلامتی، امن عامہ، عوامی صحت یا اخلاقیات کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں[37]۔

3-انسانی حقوق پر یورپی کنونشن(ECHR):

اسی طرح انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کے دفعہ 9اور10 دونوں میں یہ کہا گیاہے کہ مذہب اور رائے کی آزادی قانون میں بیان کردہ حدود کے تابع ہے جن کا وجود ایک جمہوری معاشرے میں عوامی تحفظ، امن عامہ، اخلاقیات، دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے تحفظ، یا جرم کی روک تھام کے لیے ضروری ہے[38]۔

4-اسلام میں انسانی حقوق سے متعلق قاہرہ کا اعلامیہ:

اسلام میں انسانی حقوق سے متعلق قاہرہ کا اعلامیہ جسے 5 اگست 1990ء کو قاہرہ میں اسلامی تعاون تنظیم کے وزرائے خارجہ کونسل نے منظور کیا تھا، اس میں بھی کہا گیاہے کہ اظہار رائے کی آزادی پر کچھ پابندیاں عائد ہیں۔

دفعہ 22 میں درج ہے:

ا-ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اس انداز میں اظہار کرنے کا حق ہے جو اسلامی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

ب-ہر شخص کو اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

ج- میڈیا معاشرے کی ایک اہم ضرورت ہے، اور اس کا بایں طور استعمال ممنوع ہے جس سے مقدسات اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی ہوتی ہو، یا جس سے اخلاقی اقدار کو نشانہ بنایا جاتا ہو، یا جس سے معاشرہ میں افتراق وانتشار پھیلے یا کسی عقیدے کو ہدف بنایا جائے۔

د- قومی اور فرقہ وارانہ منافرت کو بھڑکانا اور ہر وہ عمل جو نسلی امتیاز کا بڑھاوادے کسی بھی شکل میں ممنوع ہے[39]۔

اس اعلامیہ کو وہ قانونی سرپرستی حاصل نہیں جو دیگر بین الاقوامی دستاویزات کو حاصل ہے، لیکن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے اسلامی بنیادوں پر مبنی یہی اعلامیہ قابل قبول ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آزادئ اظہار رائے کے حق کو حدود وقیود سے آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا، بلکہ اس پر مختلف النوع قسم کی پابندیوں کا وجود ناگزیر ہے۔

4.2: بین الاقوامی کمیٹی برائے انسانی حقوق اور آزادی اظہار رائے پر پابندیاں:

اقوام متحدہ کی بین الاقوامی کمیٹی برائے انسانی حقوق(Human Rights Committee) نے بھی اپنے ایک فیصلے میں یہ قرار دیا کہ یہود مخالف بیانات، آزادئ اظہار رائے کے دائرے میں نہیں آتے۔

اس فیصلے کا پس منظر یہ ہے کہ یونیورسٹی آف لیون(The University of Lyon) میں فرانسیسی ادب کے پروفیسر رابرٹ فیوریسن (Robert Faurisson) جو ہولوکاسٹ کے انکار کرنے والوں میں ایک نمایاں نام ہیں، انہوں نے اپنی مضامین میں ہولوکاسٹ سے منسوب بہت سے واقعات کا انکار کیا اور مختلف پہلوؤں سے اس کی تردید کی۔ انہوں نے نازی حراستی کیمپوں میں گیس چیمبروں، اور دوسری جنگ عظیم کے دوران یورپی یہودیوں کے منظم قتل سے انکار کیا، جس سے کافی تنازعہ پیدا ہوا۔

فرانسیسی پارلیمنٹ کی طرف سے 1990ء میں گیسو قانون(The Gayssot Act, 1990) کی منظوری دی گئی، یہ قانون ان متعدد یورپی قوانین میں سے ہے جو ہولوکاسٹ کے انکار کو یہودیوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنے کی وجہ سے جرم قرار دیتے ہیں۔ اس قانون کی منظوری

کے بعد رابرٹ فیوریسن پر مقدمہ چلایا گیا اور جرمانے کی سزا سنائی گئی، 1991ء میں اسے نوکری سے برخاست کر دیا گیا۔ رابرٹ فیوریسن نے اس قانون پر تنقید کی، کیونکہ یہ اظہار رائے کی آزادی پر قدغن لگاتا ہے[40]۔

یہ معاملہ انسانی حقوق کی کمیٹی کو بھیجا گیا، اور کمیٹی نے "فوریسن بنام فرانس" نامی مشہور مقدمہ کے فیصلے میں 19 جولائی 1995ء کو فیوریسن کے بیانات کو نفرت انگیز قرار دیا، کمیٹی نے گیسو قانون کو اس بنیاد پر درست قرار دیا کہ اس کا مقصد نسل پرستی اور یہودیت کے خلاف عداوت کا خاتمہ ہے، کمیٹی نے قرار دیا کہ ایسی بنیادوں پر اظہار رائے کی آزادی کے حق کو محدود کیا جا سکتا ہے۔

فیصلے میں مزید کہا گیا کہ "مصنف کے بیانات کو مکمل تناظر میں پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ بیانات یہود مخالف جذبات کو ابھارنے کا باعث بنتے ہیں، اور یہ پابندی (یعنی گیسو قانون کے ذریعے اظہار رائے کی آزادی پر پابندی) یہودی برادری کے لیے مخالفانہ ماحول کے خوف کے بغیر زندگی گزارنے کی ضمانت دیتی ہے، اس لیے کمیٹی یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ صاحب کتاب کے اظہار رائے کی آزادی کے حق کو مقید کرنا درست فیصلہ تھا"[41]۔

اس تمام تر تفصیل میں یہ بات اہم ہے کہ اگر ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنا قابل سزا جرم ہے، کیونکہ اس سے یہودیوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کرنا کیسے قابل سزا جرم نہیں، جب کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات زیادہ مجروح ہوتے ہیں، اور امنِ عالم برباد ہو جاتا ہے۔

4.3: یورپی عدالت برائے انسانی حقوق کے فیصلوں میں آزادی اظہار رائے پر پابندیاں:

یورپی عدالت برائے انسانی حقوق، یورپی یونین کی سرپرستی میں کام کرتی ہے اور اس کی ذمہ داری افراد اور ریاستوں کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بابت مقدمات کا تصفیہ کرنا ہے۔ یہ عدالت یورپی کنونشن کے مطابق انسانی حقوق کے مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے جسے 47 ریاستوں کی منظوری حاصل ہے۔ عدالت ممبر ممالک کی طرف سے نامزد کردہ 47 ججز پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں یورپین کونسل کی پارلیمانی اسمبلی کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے[42]۔

یورپی عدالت برائے انسانی حقوق کے مختلف فیصلوں میں آزادی اظہار پر ان پابندیوں کی توثیق کی گئی ہے، جس کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے:

1- "اوٹو پریمنگر انسٹی ٹیوٹ بنام آسٹریا" کیس:

"اوٹو پریمنگر انسٹی ٹیوٹ بنام آسٹریا" (Otto-Preminger-Institut v. Austria) نامی اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ آسٹریا کے ایک ادارے (Preminger Institute for Audiovisual Production) نے مئی 1985ء میں فلموں کی ایک سیریز نشر کی جس میں عیسائیت پر طنز کیا گیا تھا، رومن چرچ کے مطالبے پر حکومت کی طرف سے ادارے کے خلاف ضابطہ فوجداری کے تحت مذہبی عقائد کو مجروح کرنے کا الزام لگایا، اور نشریات سے متعلق آسٹریا کے قانون کے مطابق فلم کو ضبط کر کے اسے شائع ہونے سے روک دیا گیا۔

اس فیصلے کے خلاف ادارے نے یورپی عدالت برائے انسانی حقوق میں اپیل کی اور یہ موقف اپنایا کہ اس فلم پر پابندی آزادیٔ اظہار رائے کے منافی ہے جس کی ضمانت انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کے دفعہ 10 میں دی گئی ہے۔ عدالت نے مقدمے کی نوعیت کو دیکھنے کے بعد یہ

قرار دیا کہ فلم پر پابندی انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کے دفعہ 10 کے منافی نہیں، اور حکومت کو مذہبی عقائد کے خلاف جرائم کو روکنے کے لیے اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے کا حق ہے[(43)]۔

اس مقدمے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیت ہی سہی مگر ایک آسمانی مذہب کے احترام اور اس کے پیروکاروں کے احساسات وجذبات کا تحفظ اور ضمانت عدالت کی جانب سے فراہم کی گئی ہے۔

2-"ای ایس بنام آسٹریا" کیس:

یورپی عدالت برائے انسانی حقوق نے اس مقدمے میں واضح طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو آزادی اظہار رائے کے منافی قرار دیا۔

"ای ایس بنام آسٹریا" نامی اس کیس میں عدالت نے قرار دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین آزادی اظہار رائے کی جائز حدود سے تجاوز ہے جو کہ تعصب کا باعث بن سکتی ہے اور اس سے مذہبی امن کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

عدالت کا یہ فیصلہ ایک آسٹرین خاتون کے خلاف فیصلے کے خلاف اپیل میں آیا جس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا، اس خاتون نے 2008 اور 2009 ء میں مختلف مواقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ توہین آمیز بیانات دیے تھے، یہ بیانات "اسلام پر بنیادی معلومات" کے عنوان سے ایک سیمینار سیریز میں دیے گئے تھے۔

ویانا کی عدالت نے فروری 2011 ء میں مذہبی اصولوں کی توہین کو بنیاد بنا کر خاتون پر مقدمے کے اخراجات سمیت 480 یورو جرمانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کو آسٹریا کی اپیل کورٹ نے برقرار رکھا، اور 2013 ء میں وہاں کی سپریم کورٹ نے بھی اس فیصلے کو برقرار رکھا۔

خاتون نے انسانی حقوق کی یورپی عدالت میں اپیل کی اور دعوی کیا کہ ملکی عدالتیں انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کے دفعہ 10 کے تحت اظہار رائے کی آزادی کے حق کا تحفظ کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

یورپی عدالت برائے انسانی حقوق نے آسٹریا کی عدالت کا فیصلہ درست قرار دیا، اور موقف اپنایا کہ اس فیصلے کا مقصد امن اور مذہبی ہم آہنگی کو برقرار رکھنا تھا، اور یہ فیصلہ اپیل کنندہ کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مبنی نہیں۔ عدالت نے مزید قرار دیا کہ آسٹریا کی عدالت نے اس فیصلے میں آزادی اظہار رائے کے حق اور دوسروں کے مذہبی جذبات کے احترام کے حق میں بجا طور پر فرق کیا ہے۔

عدالت نے مزید قرار دیا کہ خاتون کے بیانات معقول بحث کے حدود سے متجاوز ہیں اور اسے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس پر حملے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جس سے تعصب کو ہوا مل سکتی ہے[(44)]۔

4.4: آئین پاکستان اور آزادیوں پر پابندی:

پاکستانی آئین بھی ان جملہ آزادیوں کی ضمانت دیتا ہے جس کا ذکر بین الاقوامی انسانی حقوق میں ہے[(45)]، جن میں آزادی اظہار رائے بھی شامل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ آئین یہ بھی ضروری قرار دیتا ہے کہ پاکستان میں رائج تمام قوانین کا قرآن وسنت کے مطابق ہونا ضروری ہے، قرار دادِ مقاصد جو پاکستانی آئین میں دفعہ 2-اے کے طور پر شامل ہے اس کی رو سے بھی جمہوریت، آزادی، مساوات، اور سماجی انصاف کے اصولوں کا اسلام سے مطابق ہونا ضروری ہے[(46)]۔

دفعہ 19 اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی ہر شہری کا حق ہے، لیکن یہ آزادی اسلام کے وقار، علاقائی سالمیت، اخلاقیات کے تحفظ کے ساتھ مشروط ہے، اور اسے عدالت کی توہین یا کسی جرم پر اکسانے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ دفعہ 20 کے مطابق بھی ہر

شہری کو اپنے نظریے پر عمل کرنے، اور اس کی تبلیغ کی اجازت ہے لیکن یہ اجازت بھی قانون، عوامی تحفظ، اور اخلاقیات کے تابع ہے[47]۔

اس لیے مملکتِ پاکستان میں جمہوریت، مساوات، اور آزادیوں سے مراد مغربی تصورات نہیں، بلکہ اسلامی تصورات مراد ہیں۔
اور اگر توہینِ عدالت قابل سزا جرم ہے تو توہینِ رسالت کو کیسے قابل سزا جرم نہیں قرار دیا جاسکتا، اور انسانی حقوق کی آڑ میں کیسے اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ ایک ایسی ہستی کی توہین کی جائے جن پر اس ملک کے تقریباً سارے لوگ ایمان لاتے ہیں، اور ان کی تعظیم و تکریم کو ایمان کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔

5: خلاصہ بحث:

سابقہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ توہینِ رسالت کو جرم قرار دینے کے قانون کو تمام قانونی ضوابط مکمل کر لینے بعد مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنایا گیا، اس پر وارد ہونے والے اکثر اعتراضات عمومی نوعیت کے ہیں، جس کی وجہ پاکستانی نظام انصاف کی پیچیدگی ہے۔ کچھ اعتراضات کا تعلق انسانی حقوق سے ہے، جن میں سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ توہین رسالت کو جرم قرار دینا آزادئ اظہار رائے کے خلاف ہے اور انسانی حقوق کی تمام بین الاقوامی دستاویزات کی رو سے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت ہے۔
اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے اس بات کی وضاحت کی گئی کہ مروجہ انسانی حقوق کے قانون کا اسلام کے ساتھ کچھ بنیادی مسائل میں اختلاف ہے اس لیے ایک اسلامی ریاست کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اپنی تمام قوانین کو انسانی حقوق کے قوانین کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ بنائے۔
اس بات کی وضاحت بھی کی گئی کہ اللہ تعالی نے کچھ انسانوں کو جب اپنے پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا تو ان کی عزت و ناموس کو باقی انسانوں کے مقابلے میں اعلی وارفع قرار دیا، اس لیے کسی عام انسان کی عزت وناموس پر حملہ اور کسی نبی کی توہین کی سزا برابر نہیں ہو سکتی۔
اسلامی قانون کی رو سے جب کوئی مسلمان کسی پیغمبر کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی سزا قتل ہی ہے، اس سزا کو بھی بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کے تحت جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون میں شروع سے ہی کچھ معاملات میں اختلاف ہے۔
اس کے بعد مقالے میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اظہارِ رائے کے حق کو آزاد اور کسی قید سے ماوراء نہیں چھوڑا جاسکتا بلکہ اس پر کچھ پابندیاں ناگزیر ہیں، اور خود انسانی حقوق کی دستاویزات میں ہی ان پابندیوں کا ذکر کیا گیا ہے، اور یورپی عدالت برائے انسانی حقوق اور بین الاقوامی کمیٹی برائے انسانی حقوق کے فیصلوں میں ان پابندیوں کی توثیق کی گئی ہے۔ لہذا اظہارِ رائے کی آزادی کے حق پر یہ پابندی لگانا ناگزیر ہے۔
یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بین الاقوامی قانون کے مطابق انسانی حقوق کی تشریح میں کچھ حقوق کا آپس میں تعارض ہے، اور اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کوئی ایک ایسا معیار موجود نہیں جس پر سب کا اتفاق ہو، بلکہ ہر وقت اس میں من پسند تطبیق کی جاتی ہے۔
مثال کے طور پر انسانی حقوق کے قانون کی رو سے ہر انسان کو اظہار رائے کی آزادی کا حق ہے، جب کہ دوسری طرف ہر انسان کا حق ہے کہ اس کے جذبات اور احساسات کا احترام کیا جائے، اور اظہار رائے ایسے طریقے سے نہ کیا جائے جس سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس

پہنچے۔اب کبھی ان دونوں میں تعارض آتا ہے کہ ایک آدمی کا اظہار رائے دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے، ایسے موقع پر تطبیق کے لیے بین الاقوامی قانون میں کوئی ایک معیار نہیں، بلکہ اکثر دوہرے معیار کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اب جیسے اظہارِ رائے کی آزادی کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں اگر توہین کی اجازت دی جائے تو اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اب ان دونوں میں کونسی جانب کو مقدم رکھا جائے؟ اس بارے میں کوئی ایک معیار نہیں۔ یورپی عدالت برائے انسانی حقوق کے فیصلے کا تذکرہ گزر گیا کہ اس توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جب کہ دوسری طرف 2012ء میں امریکہ میں (Innocence of Muslims) نامی فلم جب منظر عام پر آئی جس میں حضور اکرم ﷺ، امہات المؤمنین اور دیگر صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، اس وقت سان فرانسیسکو کی ایک عدالت میں اس فلم کے خلاف مقدمہ پیش ہوا، عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ اس فلم پر پابندی آزادئ اظہار رائے کے خلاف ہے جس کی امریکی آئین ضمانت دیتا ہے، اس لیے عدالت نے یوٹیوب کو اس فلم کے نشر کرنے کی اجازت دی[(48)]۔

اسی طرح ستمبر 2005ء میں ڈنمارک کے اخبار(Jyllands-Posten) نے گستاخانہ خاکے شائع کیے، جس پر مسلمانوں کی طرف سے سخت ترین رد عمل آیا، تو ڈنمارک نے اسلامی انتہا پسندی کا جواب دینے کے بہانے دوبارہ بڑے پیمانے پر توہین آمیز کارٹون شائع کیے اور یورپی ممالک کے دیگر اخبارات نے ڈنمارک کے اخبار کے ساتھ یکجہتی کا اعلان کیا اور ناروے، جرمنی، اسپین، اٹلی، ہالینڈ، امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں بھی ان خاکوں کو شائع کیا گیا[(49)]۔

حالانکہ ڈینش پینل کوڈ کے دفعہ 140 میں کہا گیا ہے کہ:"کوئی بھی شخص جو اس ملک میں قانونی طور پر موجود کسی بھی مذہبی فرقے کے عقائد یا عبادت کا کھلے عام مذاق اڑائے یا اس کی توہین کرے، اسے زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی قید کی سزا یا عام حالات میں جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے"[(50)]۔

مسلمانوں نے اس دفعہ کے تحت ڈنمارک کی عدالتوں میں اخبار کے خلاف شکایت جمع کرائی، لیکن عدالتوں نے آزادی اظہار رائے کے بہانے اس قبیح عمل کو درست قرار دیا[(51)]، اور جون 2017ء میں ڈنمارک کی پارلیمنٹ نے اس قانون کا ہی خاتمہ کر دیا[(52)]۔

اس سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ مغربی ممالک میں توہینِ رسالت کے بڑھتے ہوئے واقعات کے پیچھے آزادئ اظہار رائے کا حق کار فرما نہیں، بلکہ اس کی وجہ اسلام دشمنی ہے جس کا وہ وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں اظہار کرتے رہتے ہیں۔

اس سب صورتحال کا علاج یہ ہے کہ آزادئ اظہار رائے کے حق پر علی الاطلاق یہ پابندی لگادی جائے کہ اس حق کا ایسا استعمال درست نہیں جس سے دوسروں کے مذہبی احساسات مجروح ہوں، اس کے لیے سب سے بہترین دستاویز انسانی حقوق سے متعلق قاہرہ کا اعلامیہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

آخر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ پاکستان کے قانونِ توہینِ رسالت پر کچھ دیگر فقہی اور قانونی اعتراضات بھی بجا طور پر ذکر کیے جاتے ہیں، لیکن یہاں ان پر بحث کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ صرف انسانی حقوق کے تناظر میں اس قانون کو دیکھنا مقصود تھا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات

1 - See; Sec 295-298C, Chapter XV, Offences Relating to Religion, Pakistan Penal code, 1860.

2 - Sec. 295C, PPC.

3 - See: "Muhammad Ismail Qureshi vs Pakistan", Decision of Federal Shariat Court of Pakistan, Shariat Petition No. 6/L of 1987, PLD 1991 FSC 10, Decided on 30th October 1990.

4 - "SC acquits man two years after his death", https://tribune.com.pk/story/1195917/sc-acquits-man-two-years-death.

5 - https://tribune.com.pk/story/2152445/1-pendency-cases-sc-hits-highest-level-countrys-hit.

6 - See Human Rights Watch's report, "This Crooked System, Police Abuse and Reform in Pakistan", September 26, 2016, available at; https://www.hrw.org/report/2016/09/27/crooked-system/police-abuse-and-reform-pakistan.

7 - https://www.britannica.com/topic/human-rights.

8 – محمد بن إسماعيل البخاري،صحيح البخاري، دار الشعب، القاهرة، 1407هـ.، ج 1، ص 10، رقم 15. مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم، دار الجيل بيروت، ج 1، ص 49، رقم 178.

Muhammad bin Ismāeīl al Bukhārī, Sahīh ul Bukhāri, Dar ul Shaab Cairo, 1407H, Vol. 1, P. 10, No. 15. Muslim ibn al-Hajjāj al-Qushairi, Sahīh Muslim, Dar ul Jil Beirut, Vol. 1, P. 49, No. 178.

9 - See; Freedom House, "Policing Belief: The Impact of Blasphemy Laws on Human Rights", October 2010, P. 73, available at; https://www.freedomhouse.org/sites/default/files/Policing_Belief_Full.pdf.

10 - See; The International Commission of Jurists (ICJ), "On Trial: The Implementation of Pakistan's Blasphemy Laws", November 2015, P. 5.

11 - See; ICJ, "On Trial: The Implementation of Pakistan's Blasphemy Laws", P. 6.

12 - Gabriela Knaul, Report of the Special Rapporteur on the independence of judges and lawyers (on her mission to Pakistan 19-29 May 2012)" UN Doc. A/HRC/23/43/Add.2, P. 13. Available at; https://www.refworld.org/cgi-bin/texis/vtx/rwmain/opendocpdf.pdf?reldoc=y&docid=51b9a0914. See also; ICJ, "On Trial: The Implementation of Pakistan's Blasphemy Laws", P. 6.

13 - https://www.un.org/ar/universal-declaration-human-rights/index.html.

14 - ibid.

15 - https://www.ohchr.org/en/professionalinterest/pages/ccpr.aspx.

16 - Declaration on the Elimination of All Forms of Intolerance and of Discrimination Based on Religion or Belief, Proclaimed by General Assembly resolution 36/55 of 25 November 1981, available at; https://www.ohchr.org/EN/ProfessionalInterest/Pages/ReligionOrBelief.aspx.

17 - https://www.ohchr.org/Documents/Publications/GuideMinoritiesDeclarationen.pdf.

18 - https://www.echr.coe.int/documents/convention_eng.pdf.

19 - See; Chapter 1: Fundamental Rights, Article 8 onwards, "The Constitution of Pakistan 1973".

20 - https://www.amnesty.org/ar/what-we-do/death-penalty/.

21 - ibid.

22 - Safeguards guaranteeing protection of the rights of those facing the death penalty, Approved by Economic and Social Council, https://www.ohchr.org/AR/ProfessionalInterest/Pages/DeathPenalty.aspx.

23 - https://www.amnesty.org/download/Documents/ACT5066652017ARABIC.pdf.

24 - https://www.lexisnexis.co.uk/blog/wipit/can-you-defame-the-dead.

25 - https://www.un.org/en/about-us/universal-declaration-of-human-rights.

26 – النور: 55.

Al-Nūr: 55

27 - الحج: 40-41.

Al-Hajj: 40-41.

[28] - آل عمران: 81.

Aal Imran: 81.

[29] - أحمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني، المسند، مؤسسة قرطبة، القاهرة، ج 3، ص 338، رقم 14672. أحمد بن الحسين، أبو بكر البيهقي، شعب الإيمان، مكتبة الرشد، الرياض، 1423هـ، ج 1، ص 347، رقم 174.

Ahmad bin Hanbal Abū Abdillah al-Shaibani, al-Musnad, Muassasah Qartaba Cairo, Vol. 3, P. 338, No. 14672. Ahmad bin al-Hussain, Abū Bakr al-Baihaqi, Shuab ul Imān, Maktaba al-Rushd Riyadh, 1423H, Vol. 1, P. 347, No. 174.

[30] - النحل: 93.

Al-Nahl: 93.

[31] - الكهف: 29.

Al-Kahf: 29.

[32] - مسلم بن الحجاج القشيري، الصحيح، ج 5، ص 139، رقم 4619.

Muslim ibn al-Hajjāj al-Qushairi, al-Sahih, Vo. 5, P. 139, No. 4619.

[33] - آل عمران: 19.

Aal Imran: 19.

[34] - آل عمران: 85.

Aal Imran: 85.

[35] - محمَّد بن أبي بكر، شمس الدين ابن قيم الجوزية، زاد المعاد في هدي خير العباد، مؤسسة الرسالة، بيروت 1415هـ، ج 3، ص 691.

Muhammad bin Abi Bakr, Shamsuddin ibn Qayyim al-Jawziyyah, Zād ul Maād fi Hadi Khair al-Ibād, Muassasah al-Risālah Beirut, 1415H, Vol. 3, P. 691.

[36] - https://www.un.org/ar/universal-declaration-human-rights/index.html.

[37] - https://www.ohchr.org/AR/ProfessionalInterest/Pages/CCPR.aspx.

[38] - https://www.echr.coe.int/documents/convention_eng.pdf.

[39] - http://hrlibrary.umn.edu/arab/a004.html.

[40] - See; Israel W. Charny, Encyclopedia of Genocide, ABC-CLIO, California, 1999, Vol. 1, P. 182.

[41] - See; Robert Faurisson v. France, Communication No. 550/1993, U.N. Doc. CCPR/C/58/D/550/1993(1996), decided on: 19 July 1995, Para 9.6, available at; http://hrlibrary.umn.edu/undocs/html/VWS55058.htm.

See also; Decision of Islamabad High Court, "Salman Shahid vs Federation of Pakistan", Writ Petition 739-2017, Para 18, decided on 31/3/2017.

[42] - https://www.echr.coe.int.

[43] - See; "Otto-Preminger-Institut v. Austria" Judgment of European Court of Human Rights, Application no. 13470/87, decided on; 20 September 1994, available at; http://hudoc.echr.coe.int/eng?i=001-57897.

See also; https://globalfreedomofexpression.columbia.edu/cases/otto-preminger-institut-v-austria/.

Council of Europe, Yearbook of the European Convention on Human Rights, 1994, Kluwer Law International, The Hague, 1996, P. 229-230.

[44] - See; "E.S. v. Austria", Decision of ECHR, App. No. 38450/12, Decided on October 25, 2018, Available at; https://globalfreedomofexpression.columbia.edu/wp-content/uploads/2018/10/CASE-OF-E.S.-v.-AUSTRIA.pdf.

[45] - See; Chapter 1: Fundamental Rights, Article 8 onwards, "The Constitution of Pakistan 1973".

[46] - See; Article 2-A, "The Constitution of Pakistan 1973".

[47] - See; Article 19 & 20 "The Constitution of Pakistan 1973".

[48] - https://www.bbc.com/arabic/scienceandtech/2015/05/150519_anti_islam_film_ban_lifted_for_google.

[49] - See; David Nash, Blasphemy in the Christian World: A History, Oxford University Press, 2007, P. 50.

See also; https://en.wikipedia.org/wiki/Jyllands-Posten_Muhammad_cartoons_controversy. https://www.islamweb.net/ar/article/142854.

[50] - Sec. 140, Criminal Code of Denmark, Available at; https://www.legislationline.org/download/id/6372/file/Denmark_Criminal_Code_am2005_en.pdf.

[51] - European Commission for Democracy, "Blasphemy, Insult and Hatred: Finding Answers in a Democratic Society", Council of Europe Publishing 2010, P. 258-260.

[52] - https://end-blasphemy-laws.org/2017/06/blasphemy-law-abolished-denmark/.